

ترجمہ و تلخیص

موجودہ دور میں اجتماعی اجتہاد کی اہمیت و ضرورت

تحریر: العبد الخلیل
ترجمہ: محمد جیس کریشی

موجودہ دور میں اجتماعی اجتہاد کی صورت کو تسلیم کرنے کے لیے یہ دو باتیں کافی ہیں۔

۱۔ یہ کہ ہر زمانے میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔

۲۔ یہ کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے۔

اجتہاد کی ضرورت ہر دور میں ہے

یہ بات معلوم ہے کہ شریعت اسلامیہ میں انسانوں کی دینی اور دنیاوی دونوں مصلحتوں کا لحاظ ہے اور ان مصلحتوں کا حصول جزئیات اور فروعات کے بجائے کلیات اور قواعد کی بنیاد پر ممکن ہے۔ اس لیے فقہ مجتہد پر ضروری ہے کہ نئے نئے مسائل کو وہ انہی کلیات و قواعد کی بنیاد پر حل کرے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو کہ ان کی بنیاد پر عامۃ الناس کے مسائل حل کیے جائیں تو نتیجے کے طور پر دو باتیں پیدا ہوں گی یا تو عامۃ الناس کی مصلحتیں نظر انداز ہوں گی یا پھر عامۃ الناس کے مسائل اور احکام شریعہ کے بیچ ایک خلا پیدا ہو جائے گا اور یہ دونوں باتیں ناقابل تلافی نقصان کے مترادف ہیں۔

امت مسلمہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل و احسان ہے کہ اس نے قرآن و سنت کی شکل میں انھیں دو عظیم بنیادیں فراہم کر دی ہیں جن کی روشنی میں جائز اور ناجائز، حلال و حرام میں امتیاز ممکن ہے اور یہ رد و قبول ایسے مجتہد فقہ کا کام ہے جو زندگی کے بیش آمدہ مسائل و مشکلات کے لیے شرعی احکام کے استنباط کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسلام میں اجتہاد کی اہمیت اس بات سے واضح ہوتی ہے کہ وہ ایسی شرعی ضرورت

ہے جس کے ذریعہ سے ہر زمانہ کے مسائل و احوال سے عہدہ برآ ہونا ممکن ہے۔
امام غزالی اپنی کتاب ”المخول“ میں فرماتے ہیں کہ ”اجتہاد شریعت کا ایک عظیم رکن ہے جس کا انکار ممکن نہیں ہے اس پر صحابہ کرام کا عمل تھا، ہمارے سلف صالحین اس پر گامزن رہے ہیں اور یہ عمل ہمارے زمانے تک جاری رہا ہے۔“

موجودہ دور میں مسلمانوں کو جدید تہذیبی رجحانات، عرف و عادت کے انقلابات اور تغیر احوال و مصالح کی وجہ سے اجتہاد کی ضرورت کچھ زیادہ ہی ہے اس لیے کہ یہ ممکن ہے کہ ایک چیز ایک زمانہ میں مصلحت کے مطابق ہو لیکن دوسرے زمانے میں مصلحت کے خلاف ہو جائے اسی طرح جو عمل کسی مقام پر شریعت کے حکم اور اس کے اغراض و مقاصد سے مطابقت رکھتا ہو وہ کسی دوسرے مقام پر شریعت کے حکم اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ نہ ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ زمان و مکان اور احوال و مصالح کا تغیر احکام کے تغیر کا متقاضی ہے۔ اس لیے اجتہاد ایک ضروری عمل ہے۔

موجودہ زمانہ نئے نئے حالات، واقعات اور مسائل و مشکلات کے پیدا ہو جانے کا دور ہے اور یہ تمام چیزیں مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کا شرعی حل تلاش کیا جائے جس کے لیے اجتہاد کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے

چوتھی صدی ہجری کے دوران پہلی مرتبہ یہ بات کہی گئی ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اس زمانہ میں اور اس کے بعد بھی جن اسباب کی بنا پر علماء نے اس خیال کی حمایت کی وہ اسباب تاریخ فقہ و شریعت کی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ علماء کے اندر سے خود اعتمادی کا وصف کم ہو گیا تھا اور انھیں اجتہاد کے عمل سے خوف محسوس ہوتا تھا چنانچہ فقہاء خود کو عاجز و درماندہ اور نااہل و کم سواد تصور کرنے لگے۔ اس طرح ان میں تقلید اور ایک متعین مسلک کی اتباع کا رجحان پیدا ہوا اور یہ سلسلہ اس طرح چل نکلا کہ بعد میں انھوں نے باب اجتہاد کے وانہ ہونے کا فتویٰ دینا شروع کر دیا اور کسی متعین مسلک کی تقلید کے داعی بن گئے۔

اجتہاد کے بارے میں فقہاء کے اس منفی رویہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض ایسے

لوگوں نے اجتہاد کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا جو اس کے اہل ہی نہ تھے جس سے دین میں فساد پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اجتہاد ہی کو ناممکن قرار دے دیا تاکہ اس فتنہ کا سدباب ہو سکے۔

اجتہاد کے عمل کو بند کرنے کی ایک اہم وجہ فقہی مذاہب کی تدوین اور ان کے مطابق مسائل کی ترتیب بھی قرار پائی جس کی بنا پر فقہاء ان ہی فقہی سرمایوں پر قانع ہو گئے اور ہر پیش آمدہ مسئلہ میں ان ہی کی طرف رجوع کرنے لگے۔ اس عمل نے انھیں آزادانہ بحث و استنباط سے بے نیاز کر دیا لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ بات قابل قبول ہو سکی یہاں یہ وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اجتہاد کے موقوف ہونے کے مسئلہ پر علماء اصول اور فقہاء متفق نہیں ہیں یہ معلوم ہے کہ امت کا اس پر اجماع نہیں ہے اور نہ تاریخی طور پر اس کا ثبوت ملتا ہے کہ کسی مسلمان حکمران نے ایسا کوئی حکم نامہ جاری کیا جو جس کی رو سے علماء اسلام کو ان کی اہلیت کے باوجود اجتہاد سے روک دیا گیا ہو۔ اجتہادی روح کے سر دھڑنے اور تقلیدی رجحان کے عام ہونے کے اسباب و عوامل وہی ہیں جن کی طرف شروع میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

متعدد علماء نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد موقوف ہو چکا ہے ان کا یہ خیال ہے کہ یہ رائے انتہائی فاسد اور باطل ہے۔

علامہ ابن قیمؒ نے ”اعلام الموقعین“ میں لکھا ہے ”اجتہاد کب موقوف ہوا؟ اس امر میں لوگوں کا اختلاف ان متعدد اقوال کی بنا پر ہے جو بلا دلیل و سند پیش کیے جاتے ہیں ان ہی اقوال میں سے یہ ہے کہ اب دنیا میں خدا کی حجت قائم کرنے والے اور علم کے ساتھ گفتگو کرنے والے باقی نہیں رہے اسی لیے اب کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ قرآن و سنت سے براہ راست احکام متنبط کرے، ان کے مطابق فیصلہ کرے اس کے لیے صحیح راستہ بس یہ ہے کہ کتاب و سنت کی ہدایات کو اپنے امام کے اقوال کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرے اگر وہ امام کے خیالات کے موافق ہوں تو ان کے مطابق فیصلہ دے ورنہ انھیں نظر انداز کر دے۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں حد درجہ فاسد، باطل اور متضاد ہیں۔ یہ اللہ کی طرف بغیر علم کے باتیں منسوب کرنے، اس کے دلائل کو باطل قرار دینے اور قرآن و سنت سے بے اعتنائی کی دلیل ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہے کہ اس کا

نور مکمل ہو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات صحیح ثابت ہو جائے کہ زمین کبھی بھی اللہ کی حجت قائم کرنے والے سے خالی نہ ہوگی اور ہمیشہ امت میں ایسے لوگ موجود رہیں گے جو بعینہ اسی حق کے علمبردار ہوں گے جسے لے کر آپ مبعوث ہوئے تھے اور یہ کہ اللہ ہر سو سال میں اس امت میں ایک مجدد پیدا فرمائے گا۔

اجتہاد کے موقوف نہ ہونے کی بات کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ علماء اصول کا ایک گروہ اس کا قائل ہے کہ کوئی بھی زمانہ مجتہد سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اس گروہ کے سرخیل حنبلی علماء ہیں۔ ان کے مطابق ہر زمانہ میں لازماً کوئی نہ کوئی مجتہد ہوتا ہے جس کی تقلید عام لوگوں کے لیے جائز ہوتی ہے اور اس مجتہد کو لوگوں کے باہمی نزاعات کا تصفیہ کرنے کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بعض محدثین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ ہمارے دور میں کوئی مجتہد باقی نہیں رہا ہے۔

نویں صدی ہجری کے ایک جید عالم علامہ سیوطی نے ایک کتاب ”الدرعی من اخلاص الی الاض وجہل ان الاجتہاد فی کل عصر فرض“ کے نام سے لکھی ہے جس میں انہوں نے بکثرت ایسے نصوص جمع کر دیے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض ہے اور یہ فرض فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے اس لیے دنیا کے ہر حصہ میں ایسے شخص کی موجودگی ضروری ہے جو اس فرض کی ادائیگی کی اہلیت رکھتا ہو۔ ان ہی اقوال میں سے ایک قول علامہ ابو محمد نجویؒ کا ہے جو ان کی کتاب ”الہدیب“ میں درج ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اسے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں فرض عین اور فرض کفایہ۔ فرض کفایہ یہ ہے کہ آدمی اس حد تک علم حاصل کرے کہ مقلدین کی سطح سے نکل کر اجتہاد کے درجہ تک پہنچ جائے اور قضاء و افتاء کا اہل بن جائے۔ اصولی طور پر سارے انسانوں پر اس تعلیم کا حصول فرض ہے جب دنیا کے ہر حصہ میں ایک یا دو فرد اس سطح کو پہنچ جائیں تو باقی لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا۔ لیکن اگر سارے لوگ اس سے غفلت برتیں تو سب گناہ کار ہوں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے :

فَلَوْلَا نَصْرُ مِنَ كُلِّ فِرْقَةٍ

مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا

فِي الدِّينِ ۖ

پس کیوں ایسا نہ ہوا کہ ہر گروہ میں سے

ایک جماعت دین میں بصیرت حاصل کرنے

کے لیے نکلتی۔

عصر حاضر کے متعدد علماء نے بھی اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کی بات کہی ہے۔ یہاں ان میں سے صرف ایک عالم دین سابق شیخ ازہر علامہ محمود شلتوت کی وہ قیمتی رائے یہاں درج کی جاتی ہے جو انھوں نے تفسیر القرآن میں لکھی ہے ”بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ لوگوں میں یہ غلط فکر پیدا ہو گئی ہے کہ اجتہاد موقوف ہے اجتہاد کی گنجائش اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے جو سطحی لوگوں اور حکومت کے خوشامدوں کے اقوال کی بدولت ختم نہیں ہو سکتی۔ اس امت میں ایسے افراد موجود رہیں گے جو آزادانہ بحث و تحقیق کے اہل ہوں گے، اسلام ہمیشہ رہنے والا دین ہے وہ ہر زمانہ اور ہر مقام کے لیے ایک صالح نظام عطا کرتا ہے لہذا علماء پر یہ ضروری ہے کہ وہ اجتہاد کی اہلیت پیدا کرنے کے لیے ممکنہ وسائل کی فراہمی کی کوشش کریں“^۱

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اجتہاد کی اہلیت رکھنے والوں کے لیے کسی طرح بھی اس کا دروازہ بند نہیں ہے اور جب تک اسلام اپنے خصائص کے ساتھ باقی ہے کوئی شخص اجتہاد کو موقوف قرار دینے کا مجاز بھی نہیں ہے۔

اجتماعی اجتہاد کا مفہوم اور اس کی مطلوبہ شرائط

لغت میں اجتہاد، کوشش کرنے اور مشقت اٹھانے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے، سان العرب میں اجتہاد اور تجاہد اپنی پوری صلاحیت استعمال کرنے اور پوری قوت صرف کرنے کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں ”اجْتَهَدَ فِي الْأَمْرِ“ کا مفہوم ہے کہ اس نے فلاں معاملہ میں انتہائی کوشش کی خواہ وہ معاملہ جسی ہو یا معنوی^۲

اجتہاد کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کسی معاملہ میں شرعی حکم معلوم کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔^۳ اس مضمون میں جو اجتہاد موضوع بحث ہے وہ یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں اس امت کے مجتہدین کی غالب اکثریت کسی حکم پر اتفاق کر لے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ امت کے سرکردہ علماء، ایک جگہ جمع ہو کر موجودہ دور کے حالات و تغیرات میں شریعت کے مطابق مسائل کا استنباط کریں اور باہمی مشاورت کے بعد جس بات پر سب یا اکثر علماء اتفاق کر لیں اس کو شرعی حکم کی حیثیت حاصل ہو اور اس پر عمل سبھوں کے لیے لازمی ہو۔^۴

مطلوبہ شرائط

مجتہد کے لیے جن شرائط کی موجودگی لازمی ہے انھیں علماء نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ان میں سے اہم شرائط درج ذیل ہیں:-

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کا عالم ہو یعنی اس کے لغوی و شرعی مفاہیم سے واقف ہو۔ آیات احکام کا علم رکھتا ہو۔ نیز قرآن سے متعلق دوسرے علوم جیسے نسخ و منسوخ عام و خاص، مطلق و مقید اور سبب نزول کی معرفت رکھتا ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کو سنت نبوی کی پوری معرفت حاصل ہو، احکامی حدیثوں سے باخبر ہو، حدیث کی اصطلاحات اور فن اسماء الرجال پر عبور ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اسے ان مسائل کا علم ہو جن پر پہلے سے اجماع ہے تاکہ وہ کسی متفق علیہ مسئلہ پر اجتہاد کی کوشش نہ کرے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ عربی زبان و ادب پر ماہرانہ دسترس رکھتا ہو، کسی مسئلہ پر غور و تحقیق کے وقت اس کی تمام نزاکتیں اور جزئیات اسے مستحضر ہوں۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مجتہد اصول فقہ کا علم رکھتا ہو جن بنیادوں پر اسلامی فقہ کی تدوین ہوئی ہے، دلائل اور ان کے مدلولات کا باہمی رشتہ کیا ہے اور دلائل میں تعارض کے وقت ترجیح کے اسباب و وجوہ کیا ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں سے واقف ہو۔ نیز نسخ و منسوخ اور نسخ کی شرائط کا علم ہو اسی طرح قیاس اس کی شرائط، اس کے ارکان اور اقسام سے باخبر ہو اور ان اصول و قواعد کا علم رکھتا ہو جن کی بنیاد پر مجتہد شرعی احکام کا استنباط کرتا ہے۔

بعض علماء اصول نے یہ لکھا ہے کہ بعض ایسے تکمیلی اوصاف ہیں جن سے مجتہد کو متصف ہونا چاہیے مثلاً نیت کی پاکیزگی، عقیدہ کی سلامتی، عدالت، ذہانت و فطانت اور علم کلام سے واقفیت وغیرہ۔

مذکورہ بالا شرائط کے سلسلہ میں بعض علماء کا خیال ہے کہ موجودہ دور میں کسی ایک شخص کے اندر ان تمام صفات کی موجودگی محال ہے۔ یہ صحیح ہے کہ مجتہد مطلق کے اندر ان تمام صفات کا موجود ہونا ضروری ہے جس کی بنیاد پر وہ مقررہ مسالک کے قواعد سے

اجتماعی اجتہاد کی اہمیت

صرف نظر کرتے ہوئے اپنے طے کردہ اصولوں کی بنیاد پر اجتہاد کر سکتا ہو۔ لیکن فی زمانہ ایسی اہلیت مفقود ہے۔^{۱۳} جمہور علماء نے مجتہدین کی پانچ اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) مجتہد مطلق:۔ یعنی وہ مجتہد جو از خود مسائل و احکام کا شرعی دلائل کے ساتھ استنباط کرے اور اس سلسلہ میں وہ کسی امام یا مجتہد کی پیروی نہ کرے۔ علامہ سیوطی کا خیال ہے کہ اس قسم کے مجتہدین اب نایاب ہیں علیہ

(۲) مجتہد منتسب:۔ وہ شخص جس کے اندر اجتہاد کی شرائط تو موجود ہوں مگر وہ استنباط مسائل میں جدا گانہ اصول و قواعد وضع نہ کرے بلکہ اپنے امام کی پیروی کرے لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ دلائل کے مدلولات متعین کرنے میں بھی وہ اپنے امام ہی کا متبع ہو۔

(۳) مجتہد تخریج:۔ وہ مجتہد جو اجتہاد میں اپنے امام کی اتباع کرے لیکن دلیل کی بنیاد پر خود بھی اصول اجتہاد وضع کرتا ہو یا اس طور کہ اس کے دلائل امام کے اصول و قواعد سے متجاوز و متضاد نہ ہوں۔

(۴) مجتہد ترجیح:۔ وہ مجتہد جو ائمہ اجتہاد کے مختلف اقوال کا موازنہ کرنے اور روایت یا داریت کے اعتبار سے ان میں وجہ ترجیح متعین کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ خود فقیہ ہو اور اپنے امام کے مسلک کا حافظ ہو ان کے دلائل سے واقف اور قیاس پر قادر ہو۔ ایسے مجتہدین سے کوئی دور خالی نہیں رہا ہے۔ ان ہی مجتہدین کا یہ کارنامہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے اقوال اور ان کے دلائل مدون و مرتب ہو سکے ہیں اور یہ ان ہی کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ ہر دور میں لوگوں کی شرعی احتیاج کی تکمیل کا سامان ہوتا رہا ہے۔

(۵) مجتہد النقیاء:۔ وہ مجتہد جو کسی مسلک کے احکام کے حفظ اور نقل پر قادر ہو۔ نیز اس کو ہر قسم کے مسائل میں اپنے مسلک کی رہنمائی معلوم ہو۔ ایسی صورت میں وہ دو اعتبار سے کس مسئلہ کے بارے میں فتویٰ دے سکتا ہے۔ ایک یہ کہ اسے کسی مسئلہ میں اپنے امام سے صحیح سند کے ساتھ کوئی بات معلوم ہو دوسرے یہ کہ فلاں مسئلہ فلاں مشہور کتاب میں درج ہے جس کے مسائل متداول العلل ہیں علیہ

جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا کہ مجتہد مطلق کا وجود اب نایاب ہے لیکن دوسرے مجتہدین ہر دور میں پائے جاتے رہے ہیں۔ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ لوگ اس امر میں بحث کرتے

رہے ہیں کہ ایک عرصہ سے مجتہد مطلق کا وجود باقی نہیں رہا اب صرف مجتہد مقید ہی پائے جاتے ہیں حالانکہ ان کی یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نہ تو انھیں علماء کی آراء کا علم ہے اور نہ ہی مطلق مجتہد اور مستقل مجتہد کے درمیان جو فرق ہے اس کی انھیں خبر ہے۔ اسی طرح مجتہد مقید اور مجتہد منتسب وغیرہ کے اس فرق سے بھی بے خبر ہیں جن کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے۔^{۲۷}

جہور علماء نے اجتہاد کے موضوع پر ایک دوسرے پہلو سے بھی گفتگو کی ہے وہ یہ ہے کہ اجتہاد نوعی اور جزئی بھی ہو سکتا ہے آدمی کسی ایک فن یا علم کے کسی ایک شعبہ میں درجہ اجتہاد کو پہنچ سکتا ہے۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب ”المحصل“ میں لکھا ہے :-

”اگر کوئی شخص اجتہاد کے لیے مشروط علوم میں کمال حاصل کر لے تو یہ اس کی اعلیٰ صورت ہے۔ لیکن اگر وہ کسی ایک فن یا مسئلہ میں اجتہاد کی شرائط پوری کر دے تو اس کے لیے اجتہاد جائز ہوگا۔ اگرچہ اس بات پر بعض علماء کا اختلاف ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ فرائض کا باب مناسک اور اجارات کے ابواب سے مختلف ہے۔ جو شخص فرائض سے متعلق آیات، احادیث اور اجماع و قیاس کی معلومات حاصل کر لے اس کے لیے اس خاص حصہ میں اجتہاد کرنا درست ہوگا۔ اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد نے زیر بحث مسئلہ کے سارے پہلوؤں کی معرفت حاصل کرنی ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہی سوال مطلق مجتہد کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے۔ لہذا اس قسم کی بے حقیقت باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔^{۲۸}

علماء کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ جزئی اجتہاد کی شرائط سہل اور آسان ہیں۔ علامہ الآمدی اپنی کتاب الاحکام میں فرماتے ہیں کہ جزئی اجتہاد کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اجتہاد کرنے والا متعلقہ مسئلہ سے واقف ہو غیر متعلق مسائل سے اس کی ناواقفیت اس کی اس

اہلیت پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

بارہویں صدی کے عالم امام صنعانی نے امام محمد ابراہیم الوزیر کا یہ قول نقل کیا ہے ”لوگوں نے اجتہاد کے معاملہ کو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فی زمانہ اجتہاد ایک امر محال ہے حالانکہ سلف صالحین اس سلسلہ میں اس قدر تشدد نہیں تھے ویسے اجتہاد آسان بھی نہیں ہے۔ البتہ وہ ممکن ہے جس کے لیے فکر سلیم اور ذوق صحیح درکار ہے۔“

امام موصوف ایک دوسری جگہ اپنی کتاب ”ارشاد النقاد الی تیسیر الاجتہاد“ میں فرماتے ہیں کہ ”حق بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں اجتہاد گزشتہ زمانہ کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہے البتہ اس کے لیے حوصلہ مندی، فکر کی سلامتی، فہم صحیح اور کتاب و سنت کے اندر مہارت جیسی صفات کی ضرورت ہے۔“

اس زمانہ میں اجتہاد کی شرائط کو پورا کرنا اور بھی آسان ہو گیا ہے، کتابوں کی طباعت اور مخطوطات کی اشاعت بہت آسان ہو گئی ہے، ذرائع علم کی فراوانی ہے، احادیث کے مختلف مجموعے موجود ہیں جن میں متنوع انداز و اسالیب پر حدیثیں جمع کی گئی ہیں جن سے صحیح اور غیر صحیح احادیث کی پہچان بھی آسان ہو گئی ہے۔ اسی طرح احادیث کے مختلف طرح کے اشاریے بھی موجود ہیں، الفاظ کے اشاریے بھی اور موضوعاتی اشاریے بھی۔ ان سب اسباب و وسائل کی موجودگی میں فی زمانہ یہ بات بہت آسان ہو گئی ہے کہ کسی خاص مسلک کی طرف داری کی قید سے آزاد ہو کر کسی بھی پیش آمدہ مسئلہ میں صحیح راہ عمل کی تعیین کی جاسکے۔

اجتماعی اجتہاد کا فکری ارتقار اور اس کی حجیت

فقہ اسلامی کی تاریخ اس امر پر گواہ ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطابؓ کے دور میں اجتماعی اجتہاد کا طریقہ جاری تھا حضرت میمون بن مہران حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب بھی

ان کے یہاں کوئی اختلافی معاملہ پیش آتا جس کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی صراحت نہ ہوتی تو آپ فقہا، صحابہ کے مشورے سے اس کا فیصلہ صادر فرماتے ﷺ

اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ اس طرح کے عمومی مشوروں میں سارے لوگ شریک نہیں ہوتے تھے۔ کیونکہ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد یا تو مکہ، شام، یمن اور عراق میں مقیم تھی یا میدانِ جہاد میں مصروف کار رہتی تھی اس طرح یہ بھی ثابت نہیں ہے کہ کسی مسئلہ میں فیصلہ کرتے وقت اسلامی مملکت کے تمام ہی قاضیوں اور فقہاء کی رائے لی گئی ہو بلکہ جو لوگ حاضر و موجود ہوتے ان ہی سے مشورہ کر لیا جاتا اور فیصلہ صادر کر دیا جاتا تھا کیونکہ جماعت کی رائے بہر حال فرد واحد کی رائے سے زیادہ صائب و مستحکم ہوتی ہے اسی عمل کو فقہاء کرام ”اجماع“ کہتے ہیں۔ حالانکہ اس پر اجماع کی تمام شرائط صادق نہیں آتیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک طرح کا اجتماعی اجتہاد ہوتا تھا ﷺ

شیخین کے اس طریقہ اجتہاد کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت سعید بن مسیب نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ متعدد مسائل ایسے پیش آسکتے ہیں جن کے بارے میں قرآن و سنت میں کوئی صراحت نہیں ہے تو ان کے بارے میں آپ کا کیا حکم ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ قابل اعتماد علماء سے مشورہ کرنا اور کسی ایک فرد کے مشورہ سے کوئی فیصلہ نہ کرنا ﷺ

شیخین کے اس طرزِ عمل میں قرآن مجید کی ان ہدایات ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ وَاْمُرْهُمْ بِشُورَىٰ بَيْنِهِمْ کی اتباع بھی ملحوظ تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمران کے لیے ان ہی لوگوں سے مشورہ کرنا ضروری ہے جن کا جمع کرنا بسہولت ممکن ہو اور اگر ملک کے ہر گوشے سے لوگوں کو جمع کرنے کی شرط لگادی جائے تو اس حکم پر عمل کرنا ہی مشکل ہو جائے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ اپنے گورنروں کو اس طریقہ کار پر عمل کی نصیحت کرتے تھے آپؓ نے ایک موقع پر حضرت شریحؓ سے فرمایا ”قرآن مجید میں جس حکم کی صراحت ہے اس کے متعلق کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے مگر جس حکم کی صراحت نہیں ہے اس کے لیے حدیث کی طرف رجوع کرنا اگر سنت (حدیث) میں بھی اس کی صراحت نہ ہو تو اس معاملہ میں اجتہاد کرو اور اہل علم افراد سے مشورہ کر لو ایک روایت

یہ بھی ہے کہ اس پر موجود علماء سے مشورہ کرو۔^{۳۷}
علامہ النجاشی اپنی کتاب ”غیاث الامم فی التیاض النظم“ میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ عام فیصلوں، فتاویٰ اور واقعات کے بارے میں تحقیق سے کام لیتے تھے چنانچہ کسی معاملہ میں اگر قرآن میں صراحت نہ ہوتی تو سنت کی طرف رجوع کرتے اور اگر سنت میں بھی اس کا کوئی حل نہ ملتا تو اجتہاد کرتے اور مشورے کرتے۔ وہ اسی طریقہ پر کاربند رہے اور ان کے بعد تابعین نے بھی اسی طریقہ پر عمل کیا۔^{۳۸}

اسی طریقہ کار کی پیروی حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے بھی کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ مدینہ کے گورنر ہوئے تو مردان کے گھر آئے اور نظر کی نماز پڑھی اور مدینہ کے دس ممتاز فقہاء کو مدعو کیا جن میں عروہ بن الزبیر، عبید اللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبد الرحمن، ابوبکر بن سلیمان، سلیمان ابن یسار، قاسم بن محمد، سالم بن عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن عامر اور خارج بن زید شامل تھے۔ جب یہ افراد آگئے تو آپ نے ان کو اپنے پاس بٹھایا اور حمد و ثناء کے بعد فرمایا ”میں نے آپ حضرات کو جس کام کے لیے زحمت دی ہے انشاء اللہ اس میں آپ عند اللہ ماجور ہوں گے نیز حق کے معاونین میں آپ کا شمار ہو گا۔ میرا ارادہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کی رائے اور مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کروں۔“^{۳۹}
اموی دور حکومت میں صرف اندلس کی حد تک یحییٰ بن یحییٰ اللیثی کے زمانہ میں اسی طریقہ پر عمل ہوتا تھا وہاں کے چیف جسٹس تھے انھوں نے ایک مجلس شوریٰ بنا رکھی تھی جس میں فقہی مسائل پر غور و خوض ہوتا تھا اس کے ممبران کی تعداد کبھی کبھی سولہ تک ہو جاتی تھی۔^{۴۰}

عہد صحابہ کے بعد اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے زمانہ خلافت اور اندلس میں یحییٰ اللیثی کے انفرادی طرز عمل کے علاوہ اجتماعی اجتہاد کی روایت شاذ و نادر ہی کہیں نظر آتی ہے اس کی جگہ پر انفرادی اجتہاد کی روایت قائم ہوئی اور مسائل کو انفرادی طور پر سمجھنے کی کوششیں ہونے لگیں اس کا نتیجہ ہوا کہ جہاں بعض مسائل میں مجتہدین کی رائے یکساں ہوتی وہیں زیادہ تر مسائل میں ان کی آراء متضاد بھی ہو جاتی۔ دوسرے فقہاء کی رائے کے بارے میں ایک فقیہ زیادہ سے زیادہ یہ کہتا تھا کہ اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں ہے۔^{۴۱}

کیا اجتماعی اجتہاد از روئے شرع حجت ہے

علماء کے درمیان اس امر پر اختلاف ہے کہ اکثریت کا قول اجماع ہو گا یا نہیں جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ اکثریت کی رائے اجماع نہیں ہو سکتی بلکہ بعض علماء معتزلہ کے نزدیک اکثریت کی رائے اجماع شمار ہوگی ہی رائے محمد بن جریر طبری اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کی اور ابن خویندہ مالکی کی ہے بلکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ اکثریت کی رائے اجماع تو نہ ہوگی مگر از روئے شرع حجت تسلیم کی جائے گی ہی رائے علامہ ابن حجب اور ایک دوسرے قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کی ہے بلکہ علماء کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ اکثریت کی رائے اجماع تو نہیں ہوتی مگر اس پر عمل کرنا اولیٰ (زیادہ بہتر) قابل ترجیح ہے۔ اگرچہ اس کے خلاف عمل بھی جائز ہے بلکہ

اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف خود اس بات کے لیے دلیل ہے کہ محققین کو اس کا اختیار ہے کہ ان آراء میں سے جو رائے بھی مسلمانوں کے مصالح سے قریب تر اور دلائل کی بنیاد پر زیادہ مناسب ہو اسے وہ اختیار کر سکتے ہیں۔ میری بھی رائے یہی ہے کہ اکثر علماء کی رائے اجماع کے قائم مقام نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اس امر پر تقریباً علماء اصول کا اتفاق ہے کہ تمام مجتہدین کے اتفاق کا نام ہی اجماع ہے اور جب اجماع کا حصول ممکن نہ ہو تو اکثریت کا اجتہاد حجت مانا جائے گا۔ اس موقف کے حق میں میرے میلان کے اسباب درج ذیل ہیں:-

اولاً: اکثریت کی رائے ظاہری طور پر اپنی ترجیحی حیثیت کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اکثریت کی مخالف رائے راجح ہے تو یہ لازم آئے گا کہ اکثریت کو اس کی خبر نہیں ہے یا اگر وہ واقف ہے تو غلطی سے یا عمداً اس کی مخالف ہے اور یہ بات ناممکنات میں سے ہے بلکہ

ثانیاً: جماعت کی خبر فرد کی خبر پر مقدم ہے کیونکہ یہ یقین کا فائدہ نہیں دیتی جبکہ جماعت کی خبر اگر تو اتاری کی حد تک ہو تو یقین کا فائدہ دیتی ہے پس یہی اصول اجتہاد کے معاملہ پر بھی منطبق ہو گا۔

ثالثاً: ان احادیث پر عمل کا تقاضا بھی یہی ہے جو کہ جماعت کی اتباع پر ابھارتی ہیں

مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو گمراہی پر متفق نہیں کر سکتا۔ پس جب تم اس میں کوئی اختلاف دیکھو تو اکثریت کے ساتھ رہو۔“ ایک دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں ”تمہارے لیے جماعت سے وابستگی ضروری ہے کیونکہ بھڑیا تنہا بکری کو اچک لیتا ہے“^{۱۵۵} ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ شیطان تنہائی کے ساتھ ہے مگر جب دو شخص ہوں تو وہ دور ہو جاتا ہے^{۱۵۶}

رباعاً: حضرت ابو بکرؓ کی خلافت پر امت نے اعتماد کیا تھا۔ یہ خلافت اکثر صحابہؓ کے اتفاق ہی سے وجود میں آئی تھی باوجود اس کے کہ بعض صحابہؓ مثلاً حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن عبادہؓ نے شروع شروع میں اس کی مخالفت کی تھی^{۱۵۷}

خامساً: عول، حلت متہ اور ربا الفضل جیسے مسائل میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی رائے صحابہ کرامؓ کے نزدیک اسی لیے ناقابل اعتبار ٹھہری کہ وہ اکثر فقہار صحابہ کی رائے سے متصادم تھے^{۱۵۸}

ان تمام دلائل کے پیش نظر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اکثریت کی رائے شرعی اعتبار سے حجت سے ہوگی اگرچہ یہ دلیل ظنی ہوگی تاہم اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ ظنی دلیل کی بنا پر احکام پر عمل درست ہے بلکہ اہم علمی احکام کی بنیاد ظنی دلائل ہی ہیں۔ پس انفرادی اجتہاد کے مقابل میں اجتماعی اجتہاد مضبوط ظنی دلیل بن جاتی ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اکثریت کی رائے کو شرعی دلیل تسلیم کر لینے کے بعد کیا اس پر تمام مسلمانوں کا عمل ضروری قرار پائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مصلحت اس بات کی مقتضی ہے کہ اس پر سارے ہی مسلمان عمل کریں۔^{۱۵۹} چونکہ پیش آمدہ مسائل و مشکلات سے سارے ہی لوگ متاثر ہوتے ہیں اور یہ بات مناسب نہیں ہے کہ کسی انفرادی اجتہاد کے سبب اجتماعی فیصلے کی اطاعت نہ کی جائے اس لیے کہ ایک فرد جس طرح صحیح فیصلہ کر سکتا ہے اتنا ہی قوی امکان اس کے غلط فیصلہ کرنے کا بھی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اجتماعی اجتہاد ہوگا تو اس میں غلطی کا امکان کم ہوگا اور امت کی مصالح زیادہ بہتر طور پر پیش نظر رکھی جاسکیں گی۔

اصولی بات یہ ہے کہ علماء کے اختلافات حکومتی فیصلہ کے ذریعہ ختم کیے جاسکتے ہیں۔ اس اعتبار سے مسلمانوں کے امیر پر یہ لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کو مجتہدین کی اکثریت کے فیصلہ پر کاربند ہونے کا حکم دے اس لیے کہ امیر کی اطاعت مسلمانوں پر از روئے قرآن

ضروری ہے :-

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ
تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ
إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۝

اللہ اور رسول کی اور جو تم میں صاحبہم
ہوں ان کی اطاعت کرو اگر کسی معاملہ میں
تم میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور
رسول کی طرف لوٹا دو۔

کسی اجتہادی مسئلہ میں جس حاکم کو مسلمانوں پر کوئی فیصلہ لازم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے صدر اسلام میں ایسے ہی حکام ہوا کرتے تھے اگر وہ حاکم مجتہد نہ ہو تو اس معاملہ میں اس کے حکم کی کوئی حیثیت نہ ہوگی جب تک کہ اس سلسلہ میں علم سے مشورہ نہ کیا جائے اور اس پر ان کی تائید و توثیق حاصل نہ ہو۔

علامہ جوینی فرماتے ہیں کہ اگر حاکم وقت مجتہد نہ ہو تو اس کی اتباع کی جائے گی اور اگر مجتہد نہ ہو تو علماء کرام متبوع ہوں گے اور حاکم کی طاقت اس کا اثر و سرور اس کے لیے استعمال کا حقیقت یہ ہے کہ اجتہادی مسائل کے سلسلہ میں حاکم وقت کو جو اختیار دیا گیا ہے اس کی تطبیق سیاست شرعیہ کے پہلو سے ہو سکتی ہے اس طرح ضرورت اور زمانہ کی رعایت سے احکام کی نوعیت میں جو تبدیلیاں ہوتی ہیں ان کے پیش نظر حاکم کا یہ اختیار مناسب معلوم ہوتا ہے شرط یہ ہے کہ اس کا استعمال مفاد عامہ کے لیے اور شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو۔ اس کی ایک نمایاں مثال خلفاء آل عثمان کا طرز عمل ہے کہ انھوں نے مسلک حنفی کے رائج اقوال پر عمل کو لوگوں کے لیے لازم قرار دے دیا تھا ان کا یہ اقدام اسلامی فقہ کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت کا حامل ہے جن مسائل میں شریعت میں کوئی تفصیل مذکور نہ تھی ان پر عمل کرانے کے سلسلے میں فرمانوں کا ایک قاعدہ مروج تھا جن پر لوگ عمل کرتے تھے ۱۰۶ھ

موجودہ دور میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے

اس دور میں حالات، مسائل اور مصالح عامہ کے بدل جانے سے اجتہاد کی ضرورت دو چند ہو گئی ہے لیکن کوئی ایک فرد اس ضرورت کو پوری نہیں کر سکتا اس لیے کہ انفرادی اجتہادات پر نظر ڈالنے سے یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ ان میں غلطی کی وجہ صرف یہ تھی کہ مجتہد کو اصل مسئلہ کی تمام تفصیلات کا علم نہ تھا اگر وہ ان سے واقف ہوتا تو اس کی

رائے کچھ اور ہی ہوتی۔ متعدد علوم ایسے ہیں جن کی واقفیت شرط اجتہاد تو نہیں ہے مثال کے طور پر علم طب، لیکن اگر اس علم کا تعلق زیر اجتہاد قضیہ سے ہے تو ایسی صورت میں مجتہد کو طبی ماہرین سے استفادہ کی ضرورت پیش آئے گی اور ان کی فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر شرعی حکم مرتب ہوگا لیکن جو لوگ ان سے استفادہ نہیں کریں گے ان کی آراء اول الذکر مجتہدین سے مختلف ہوں گی مثال کے طور پر چار ماہ کے حمل کا اسقاط جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں بعض علماء جواز کے قائل ہیں اور بعض کراہت کے اور بعض حرمت کے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے خیال میں اس مدت کے اندر حمل میں جان بڑھاتی ہے انہوں نے حرمت کا فتویٰ دیا اور جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ ایسا نہیں ہے ان کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔

بعض علماء ایسے مسائل میں بھی اجتہاد نہیں کرتے جن میں سیکڑوں سال قبل کسی مجتہد یا فقیہ نے کوئی رائے دے دی ہو یا وجود اس کے کہ وہ اس مسئلہ کی علمی تفصیلات سے بے خبر ہی کیوں نہ ہوں۔ مثال کے طور پر یہ بات کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ یہ ان مسائل میں سے ہے جن میں کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ بسا اوقات سیاسی پابندیاں بھی انفرادی اجتہاد پر اثر انداز ہوتی ہیں بالخصوص آج کے زمانہ میں جبکہ حکمرانوں کے سیاسی جبر اور ان کی مطلق العنانی کا بول بالا ہے بعض ممالک تو ایسے ہیں جو اپنے عوام کو آزادی فکر و اظہار کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ متعدد مسائل ایسے ہیں جن میں علماء کی رائے کو ناقابل اعتنا گردانا جاتا ہے مثلاً اسرائیل کے ساتھ صلح کی شرعی حیثیت، حکومت یا سیاست میں مجلس شوریٰ کا رول یا معدنیات جیسے سونے اور پٹرول میں زکوٰۃ کے وجوب کا معاملہ وغیرہ۔

اسی طرح انفرادی اجتہاد میں بعض اوقات اصلاح کے بجائے فساد مقصود ہوتا ہے۔ ایسے نام نہاد مجتہدین اصلاً دین فروش ہوتے ہیں جو اپنے فتاویٰ کے ذریعہ شرعی اصولوں کو پامال کرتے ہیں یا مسلمانوں میں بدعات اور باطل فکر کی ترویج کے خواہش مند ہوتے ہیں مثال کے طور پر مصر کے بعض علماء نے آزادی فکر و رائے کے نام پر چند ایسی کتابیں لکھیں اور ایسے فتوے صادر کئے جو حد درجہ غلط مفروضات پر مبنی تھے۔ یہ خرابیاں ہیں جو انفرادی اجتہاد سے متعلق تھیں لیکن اجتماعی اجتہاد کے بارے

میں اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ دور میں واضح اجتماعی اجتہاد ممکن ہے جس سے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کیا جاسکے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نظری طور پر صریح اجتماعی اجتہاد ممکن ہے لیکن عملاً یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔

فقہاء متقدمین کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اجماع صریح محال ہے۔ امام غزالیؒ اپنی کتاب ”فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة“ میں فرماتے ہیں کہ وہ چیز جس سے اجماع کا استناد ہو اس کا پایا جانا، اس شرط کے ساتھ کہ کسی اہم نکتہ پر ارباب حل و عقد لفظ صریح کے ساتھ کسی ایک زمانہ میں متفق ہو گئے ہوں اور اس پر مرد و زمانہ کے باوجود ہمیشہ قائم بھی رہیں۔ یہ اتفاق کسی اجتماع کے ذریعہ وجود پذیر ہوا ہو یا مراسلت کے ذریعہ اور اختیار و آزادی کے باوجود کسی کا اس سے رجوع یا کسی کی طرف سے اس کی مخالفت ثابت نہ ہو، مشکل ترین بات ہے۔

بعض علماء کے نزدیک صریح اجماع ناممکن ہے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جس نے اجماع کا دعویٰ کیا سمجھ کر وہ جھوٹا ہے۔ اس بات پر بقول ان کے لوگوں کا اتفاق ہے کہ صریح اجماع ممکن نہیں ہے۔ اس طرح بعض علماء عصر نے بھی اجماع کو محال قرار دیا ہے۔ شیخ عبد الوہاب خلافت اجماع کی تعریف اور اس کے ارکان کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں ”صحابہ کرامؓ نے اپنے زمانہ کے متعدد مسائل میں جو فیصلے صادر فرمائے اور جنہیں اجماع صحابہ کا نام دیا جاتا ہے وہ ہمارے مفہوم کے حامل اجماع پر صادق نہیں آتے انھیں صرف اس اعتبار سے اجماع کہا جاسکتا ہے کہ جو مسئلہ درپیش ہوا اسی پر موجود اصحاب علم و فہم نے مشاورت کے ساتھ فیصلہ کیا۔“

اسی طرح شیخ محمود شلتوت بھی اجماع صریح کو ناممکن کہتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جو اجماع ماخذ شریعت ہے۔ اس میں جہاں اس شخص کی رائے کا اعتبار نہیں ہوتا جو فہم و بصیرت کا حامل نہ ہو اسی طرح تمام مجتہدین کا اتفاق بھی عملاً ضروری نہیں ہے اس طرح کا اجماع جس میں علماء تمام ہی مجتہدین کا اتفاق لازمی ہو۔ درج ذیل شرائط کے تحت ہی وجود پذیر ہو سکتا ہے:-

۱۔ اجتہاد کی اہلیت کی شرائط انتہائی سخت کر دی جائیں۔ چاہے وہ عربی زبان سے واقفیت کا معاملہ ہو یا شرعی قانون سازی کے اصول و قواعد کے علم کی بات ہو

یہ مسئلہ مذکور کے تمام اطراف و جوانب کی جانکاری کا مسئلہ ہو۔
۲۔ مذکورہ بالا صلاحیتوں سے متصف دنیا بھر کے تمام ہی مجتہدین سے واقفیت ہو
اور ان کی جائے قیام کا پتہ ہو۔

۳۔ زیر بحث مسئلہ میں ان تمام لوگوں کی آراء معلوم کی جائیں۔

۴۔ کسی ایک رائے پر سب کا اتفاق ہو جائے۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ اول الذکر تینوں شرائط اگر پوری کر لی جائیں تو چوتھی شرط بھی پوری
ہو جائے کیونکہ انسانی فطرت اختلاف رائے کا تقاضا کرتی ہے ہر شخص کی صلاحیت میں
تفاوت ہوتا ہے نیز مقامی حالات کے باعث ہر ایک کے پاس وسائل علم و تحقیق یکساں
نہیں ہوتے ۱۰۹

یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انفرادی اجتہاد کے اندر لغزش اور غلطی کے امکانات
زیادہ ہوتے ہیں نیز یہ بات بھی معلوم ہے کہ صریح اجماع ناممکن ہے اس صورت میں
صرف اجتماعی اجتہاد ہی فقہ اسلامی کی حیات اور اس کے فروغ و ارتقاء کا ضامن
بن سکتا ہے اور اسی کے ذریعہ عصری مشکلات و مسائل کا حل ڈھونڈا جاسکتا ہے جس
میں شک و شبہ کا امکان کم ہی رہتا ہے۔ مذکورہ بالا فوائد کے علاوہ اس قسم کے اجتہاد
سے دین کے بارے میں بہت سی عوامی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جاتا ہے اور اسی اجتہاد
کی بدولت دین فروشوں اور اہل ہوس کو جھوٹے فتوؤں کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان
پہنچانے کا موقع نہیں مل سکتا۔ اجتماعی اجتہاد میں باہمی مشاورت کے ذریعہ فیصلہ لیا جاتا
ہے اس لیے اس میں علماء کے اختلافات کم سے کم ہو جاتے ہیں اور انفرادی اجتہاد
کے مقابل میں اس کا فیصلہ حق سے زیادہ قریب ہوتا ہے کیونکہ ہر بات تفصیلی بحث
و تحقیق کے ذریعہ ہی طے پاتی ہے جس میں ہر مسئلہ کے تمام ہی اطراف و جوانب
پر غور کرنے کا کافی موقع ملتا ہے لیکن انفرادی اجتہاد میں ذاتی مفاد کے حصول
اور دوسروں کی خواہشوں کی پیروی کا امکان رہتا ہے مزید برآں یہ کہ اُس شخص کو مسئلہ
کا ایک رخ اگر معلوم ہو گا تو اس کا دوسرا پہلو اس پر مخفی بھی ہو سکتا ہے اس
لیے انفرادی اجتہاد کا انجام بخیر نہیں ہو سکتا اور زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وہ
کسی ناقص فیصلہ پر پہنچ جائے۔

معاصر علماء۔ اجتماعی اجتہاد کے حق میں ہیں

موجودہ دور میں نئے نئے مسائل کے اسلامی حل کے لیے بہت سے علمائے عظم نے اجتماعی اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ جیسا کہ ”مجمع البحوث الاسلامیہ“ کی پہلی کانفرنس منعقدہ ۱۳۸۲ھ قاہرہ میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ ”قرآن و سنت شرعی احکام کے دو بنیادی مصدر ہیں لہذا جس کے اندر اجتہاد کی مطلوبہ اہلیت ہو تو ان دونوں سے احکام کے استنباط کا حقدار ہے لیکن اس کا اجتہاد بر محل اور مصالح عامہ کے مطابق ہو اور پیش آمدہ مسائل کے حل کی خاطر ہو۔ فقہی مذاہب کے ان احکام سے بھی وہ استفادہ کر سکتا ہے جن سے اس کا مقصد پورا ہوتا ہو۔ اگر ان کے احکام ایسے ہوں جن سے یہ مقصد پورا نہ ہوتا ہو تو مسلکی اجتماعی اجتہاد ہوگا اور اس سے بھی اگر یہ مقصد پورا نہ ہوتا ہو تو مطلق اجتماعی اجتہاد کیا جائے گا اور حتی المقدور یہ مجمع ان مسائل کی فراہمی کا انتظام کرے گا جن سے اس طرح کے اجتماعی اجتہادات کی راہ ہوا ہو“۔ اسی طرح شیخ احمد محمد شاہ نے مصر کے ماہرین قانون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا ”جب میں اسلامی فقہ کی خدمت کی دعوت دیتا ہوں تو آپ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ابن عابدین اور ابن نجیم کے بتائے ہوئے مسائل کی تقلید کی دعوت دے رہا ہوں یا فقہاء کے ان مسائل کی تقلید کی دعوت دے رہا ہوں جو انھوں نے فردی مسائل میں مستنبط کیے ہیں اور جن کا ذکر قرآن و سنت میں نہیں ہے۔ ہرگز نہیں! تقلید محض کی میں پوری مخالفت کرتا ہوں خواہ متقدمین کی تقلید ہو یا متاخرین کی۔ ایسے ہی انفرادی اجتہاد بھی وضع قانون کے لیے مفید نہیں ہے۔ بلکہ فرد واحد کے تعلق سے یہ بات محال ہے جس چیز کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں وہ اجتماعی اجتہاد ہے اور یہی چیز مفید ہے۔ کیونکہ جب مختلف آراء کا باہم تبادلہ ہوگا تو خدا نے چاہا تو صحیح بات نکل آئے گی“۔

اسی طرح شیخ عبد الوہاب خلافت، شیخ محمود تلیوت، شیخ مصطفیٰ الرزاق، شیخ محمد طاہر بن عاشورہؒ اور ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ نے بھی اجتماعی اجتہاد کی حمایت کی ہے۔ ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ فرماتے ہیں کہ ”ہمارے لیے ضروری ہے کہ عربی زبان

اجتماعی اجتہاد کی اہمیت

و ادب کے ساتھ اسلامی فقہ اور اس کی توضیح و تشریح کے لیے بھی ایک اکیڈمی ہو کیونکہ عربی اکیڈمی تو زبان و ادب کی بیش بہا خدمات انجام دے رہی ہے لیکن فقہ اکیڈمی کی ضرورت زیادہ شدید ہے۔ اس لیے کہ پیش آمدہ مسائل میں قرآن و سنت کی رہنمائی تلاش کرنا زبان کے مسائل سے زیادہ تنوع اور نزاکتیں رکھتا ہے۔ لیکن کسی فرد واحد یا متعدد افراد سے جو مختلف موضوعات پر اپنے طور سے کام کر رہے ہیں یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔ لہذا ایک ایسی اکیڈمی کی ضرورت ہے جو ہر سال پیش آمدہ مسائل پر علماء کو دعوت تحقیق دے اور ہر موضوع کا ماہر اپنے موضوع کے اعتبار سے اس کی تفصیلات کا مطالعہ کرے پھر اجتماعی طور پر ہر سال مذاکرہ ہو جس میں ہر فرد اپنے خیالات و نتائج تحقیق پیش کرے پھر اجتماعی قرارداد منظور کی جائے اور اس کی بنیاد پر شرعی حکم کا نفاذ ہو جس پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہو میرے نزدیک اسی عمل کا نام اجماع ہے۔

عملی اجتماعی اجتہاد کے خطوط کار

مقدمہ علماء عصر نے اجتماعی اجتہاد کے لیے جو تین طریقے اور خطوط کار متعین کیے ہیں اگر ان پر عمل ہو تو یہ چیز امت کے لیے خیر کثیر کا باعث ہوگی ان کو مختصر پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ علمی وسانی اکیڈمیوں کے طرز پر فقہ اسلامی کی ایک اکیڈمی قائم کی جائے۔ جس میں عالم اسلام کے مشہور اور راسخ علماء کی خدمات حاصل کی جائیں اور اس کا نام ”مجمع الفقہ الاسلامی العالمی“ (عالمی فقہ اکیڈمی) ہو۔

۲۔ یہ ادارہ ان مسائل کا اسلامی حل تلاش کرے جو امت مسلمہ کو درپیش ہیں نیز اسلامی ثقافت کے احیاء اور اسلامی قوانین کی تدوین بھی اس کے علمی پروگرام کا جز ہو۔

۳۔ ہر اسلامی ملک میں اس کا ایک ذیلی شعبہ ہونا چاہئے جس کے ذمہ منتخب علماء کی تربیت کا کام ہو تاکہ ان میں اجتہاد کی مطلوبہ صلاحیت پیدا ہو اور وہ عالمی فقہ اکیڈمی کے ارکان بن سکیں۔

۴۔ اس اکیڈمی کے ارکان مندرجہ ذیل صفات کی بنیاد پر منتخب کیے جائیں۔

(الف) وہ کسی یونیورسٹی یا قابل ذکر ادارے میں اسلامیات پر کام کر چکا ہو۔ اسلامی

علوم پر اس کی قابلیت لوگوں پر ظاہر ہو۔ یا ایک لمبے عرصے تک قضا یا افتاء کی خدمت انجام دے چکا ہو۔

(ب) ادارے کے مطلوبہ معیار کے مطابق اس میں اجتہاد کی اہلیت و صلاحیت ہو
(ج) وہ حسن سیرت، تقویٰ اور صالحیت میں ممتاز ہو۔

(۵) پیش آمدہ مسائل کی بحث و تحقیق اور ان کے بارے میں شرعی حکم کے تعین کے لیے اس اکیڈمی کے ارکان کی ایک قابل لحاظ تعداد اپنے اوقات فارغ کرے۔ پھر وہ اپنے نتائج بحث و تحقیق کو مزید بحث و مناقشہ کے لیے اور کسی موزوں ترجمہ کی تعمین کے لیے اکیڈمی کی جنرل باڈی کو پیش کر دیں۔

(۶) یہ اکیڈمی ضرورت کے وقت مسائل کے لحاظ سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین سے ان کے علم و فن کی تفصیلات کے حصول کے لیے صلاح و مشورہ کرے۔
(۷) اکیڈمی ایسے علمی شعبے اور ادارے تشکیل دے جن سے بحث و تحقیق کی راہ آسان و ہموار ہو ان میں یہ شعبے خاص اہم اور ضروری ہیں۔

۱۔ لجنہ تقنین الفقہ الاسلامی (شعبہ برائے تدوین فقہ اسلامی) اس کے تحت فقہ اسلامی کا قانونی تشکیل کا کام ہوگا۔

۲۔ لجنہ الفقہرست العامہ (شعبہ برائے فہرست سازی) اس کے ذمہ فقہ اسلامی کے مصادر و مراجع اور احکام کی فہرست سازی کا کام ہوگا۔

۳۔ لجنہ احیاء التراث (اسلام کی علمی میراث کی حفاظت کا شعبہ) اس کے تحت اسلامی میراث کی اہم کتابوں کی تدوین و تحقیق اور ان کی نشر و اشاعت کا کام انجام پائے۔
۴۔ مرکز تحریک الاحکام الشرعیہ (شرعی احکام کے کمپیوٹرائزیشن کا مرکز) اس مرکز کے تحت شرعی احکام اور ان کے مصادر کو مناسب ترتیب کے ساتھ یکجا کرنے کا کام ہو جس سے محقق ان احکام اور ان کے مرجع و مصدر کی تلاش کم وقت میں اور سہولت کر سکے۔ اس مرکز کے ذریعہ دوسری زبانوں میں ان احکام کی منققی کا کام بھی ہونا چاہئے۔ تاکہ اس سے دنیا کی دوسری قومیں بھی استفادہ کر سکیں۔

۵۔ مرکز موسوعۃ الفقہ الاسلامی (سینٹر برائے انسائیکلو پیڈیا آف فقہ اسلامی) اس کے تحت فقہ اسلامی کی انسائیکلو پیڈیا تیار ہو جس میں ہر قابل اعتبار فقہی مذہب کو

اجتہاد کی اہمیت

حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا جائے۔

۸۔ بحث و تحقیق کے بعد اگر مجتہدین کی آراء میں اختلاف ہو تو کثرت رائے سے

فیصلہ کیا جائے گا۔

۹۔ اس اکیڈمی کی تجاویز اور فیصلوں پر عمل مسلمانوں کے لیے لازمی ہو اور ارباب اختیار ان کی تنفیذ کے ذمہ دار ہوں۔

۱۰۔ اس کے مالیاتی اخراجات غیر رسمی طور پر پورے کیے جائیں جس کا سیاسی اثرات سے پاک ہونا ضروری ہے تاکہ شرعی احکام کے وضع کرنے میں آزادی باقی رہے۔

۱۱۔ اکیڈمی سال میں ایک بار اپنے ارکان کا اجتماع اس غرض سے بلائے جس میں پہلے سے طے شدہ مسائل پر بحث و مناقشہ کے بعد مناسب شرعی فیصلے کیے جائیں۔

۱۲۔ اکیڈمی اپنے فیصلوں کو میڈیا کے ذریعہ مشہور کرے پھر کتابی شکل میں ان کو شائع کر کے عالم اسلام میں ان کی تقسیم کا انتظام کرے۔

حواشی و مراجع

۱۔ دیکھئے۔ امام ابو اسحاق الشاطبی ابراہیم بن موسیٰ النخعی متوفی ۴۹۸ھ الموافق فی اصول الکلام مجلد ۱ تحقیق محی الدین عبدالحمید مکتبہ مطبع محمد علی صبیح القاہرہ ۳/۲۔ اس کے بارے میں آگے الشاطبی ”الموافقات“ کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۲۔ الغزالی۔ ابو حامد محمد بن محمد متوفی ۵۰۵ھ المنقول من تعلیقات الاصول طبع دوم تحقیق دکتور محمد حسن بہتو، دار الفکر، دمشق ۱۹۸۰ء ص ۶۲۔ آگے الغزالی المنقول کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۳۔ دیکھئے، الشوکانی محمد بن علی متوفی ۱۲۵۰ھ القول المفید فی ادلة الاجتہاد و التقلید قاہرہ ۱۳۲۶ھ ص ۲۶۔ محمد سعید البانی۔ عدۃ التحقیق فی التقلید و التلخیص المکتب الاسلامی بیروت ۱۹۸۱ء ص ۲۰۵

نادیہ شریف العزری۔ الاجتہاد فی الاسلام طبع م۔ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۴ء ص ۲۱۸ آگے اس کا حوالہ ”نادیہ العزری“ الاجتہاد“ کے نام سے دیا جائے گا۔ بوجینا غیانہ ستنبفسکا۔ تاریخ النشر للجمیۃ الاسلامی طبع دوم منشورات الآفاق المجدیدہ بیروت ۱۹۸۰ء ص ۴۷

۴۔ ابن القیم ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر متوفی ۷۵۱ھ اعلام الموقعین عن رب العالمین۔

مجلد ۲ ادارۃ الطباعة المنيرية قاہرہ ج ۲ ص ۱۳۲۔ آگے ابن القیم، اعلام الموقعین کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔
 الشاہلی محمد بن الحسن النجوى متوفی ۱۲۶۶ھ الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الاسلامی مجلد ۲ المکتبۃ
 العلمیہ مدینہ منورہ ۱۹۷۷ء ج ۲ ص ۲۳۸۔ آگے الشاہلی، الفکر السامی کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

الشوکانی محمد بن علی، متوفی ۱۲۵۰ھ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول مطبوعہ مطبع
 مصطفیٰ الحلبي واولاده قاہرہ ۱۹۳۷ء ص ۲۵۔ آگے الشوکانی، ارشاد الفحول کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۵۵ ابن القیم۔ اعلام الموقعین ج ۲ ص ۲۰۔

۵۶ الشوکانی، ارشاد الفحول ص ۲۵۳

الاسنوی جمال الدین عبد الرحیم متوفی ۷۷۲ھ نہایت السؤل شرح منہاج الاصول۔ مجلد ۲
 عالم الکتب بیروت ج ۳ ص ۲۴۳۔ آگے "الاسنوی نہایت السؤل" کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔
 ۵۷ آل تیمیہ۔ المسودۃ فی اصول الفقہ تحقیق محمد بن محمد بن عبد الحمید مطبع المدنی قاہرہ ۱۹۶۶ء ص ۷۷
 آگے "ال تیمیہ المسودہ" کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔ والشوکانی، ارشاد الفحول ص ۲۵۳

دیکھئے الآمدی سیف الدین ابو الحسن علی بن ابی علی بن محمد متوفی ۶۳۱ھ الاحکام فی اصول الاحکام
 مجلد ۲ مطبع المعارف مصر ۱۹۱۲ء ج ۲ ص ۳۱۳۔ آگے "الآمدی الاحکام" کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔
 و امیر بادشاہ محمد امین متوفی ۱۲۸۹ھ تیسیر التخریر مجلد ۲ مطبع مصطفیٰ الحلبي واولاده قاہرہ ج ۷ ص
 ۲۷۲۔ آگے امیر بادشاہ تیسیر التخریر کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۵۸ جلال الدین السيوطي عبدالرحمن بن البكر متوفی ۹۱۱ھ الرد علی من اخلد الی الارض و جعل ان الہیہ
 فرض طبع اول دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۹۸۰ء ص ۶۷-۹۳۔ آگے السيوطي۔ الرد علی من اخلد الی
 الارض کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۵۹ السيوطي الرد علی من اخلد الی الارض ص ۶۹

۶۰ سورۃ التوبہ آیت ۱۲۲

۱۱۰ ان علماء میں سے شیخ جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ، شیخ محمد شلتوت شیخ محمد طاہر بن عاشور
 شیخ مصطفیٰ الزرقا، اور علامہ محمد اقبال ہیں۔

دیکھئے جمال الدین افغانی متوفی ۱۳۱۴ھ الرد علی الدہرین طبع ۲ مطابع البحالیۃ قاہرہ

۱۳۲۳ھ ص ۸۰۔

محمد عمارۃ الاعمال الکاملۃ للامام محمد عبدہ متوفی ۱۳۲۳ھ مجلد ۲ طبع دوم الموسسۃ العربیۃ

للدراست والنشر بیروت ۱۹۷۹ء ج ۱ ص ۱۸۱

و شیخ محمود شلتوت، تفسیر القرآن طبع دوم دارنقلم قاہرہ ۲۱۶ آگے شلتوت تفسیر القرآن کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

و شیخ محمد طاہر بن عاشور مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ طبع اول الشریعۃ التولسیہ للتوزیع ۱۹۷۷ء ص ۱۴ آگے ابن عاشور مقاصد الشریعۃ کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

و مصطفیٰ الزرقا، الاجتہاد مجملہ الدراسات الاسلامیہ مجمع البحوث الاسلامیہ اسلام آباد مجلد ۱۵، ۱۶ ۱۹۸۱ء آگے الزرقا الاجتہاد کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

و محمد اقبال تجدید التفکر الدینی فی الاسلام مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر قاہرہ ۱۹۵۵ء ص ۲۰

۱۲ شلتوت تفسیر القرآن الکریم ص ۲۱۶

۱۳ سورۃ النساء آیت ۸۳

۱۴ دیکھئے محیی محمد صانی ملازمۃ الشریعۃ ل الحاجات العصر الاجتماعی، الثقافۃ الاسلامیہ والحیاء المعاصرۃ مجموعۃ البحوث التي قدمت لمؤتمر نستون للثقافۃ الاسلامیہ جمع ومراجع محمد خلف اللہ طبع دوم مکتبہ

النہضۃ المصریۃ ۱۹۶۲ء ص ۱۶۲

۱۵ دیکھئے ابن منظور جمال الدین محمد بن کرم متوفی ۱۱۳۱ھ لسان العرب دار صادر بیروت ۱۹۵۵ء

ج ۳ ص ۱۳۳ مادہ جہد

۱۶ الغزالی ابو حامد محمد بن محمد متوفی ۵۰۵ھ المستصفیٰ مجلد ۲ المطبۃ الامیریۃ قاہرہ ۱۳۲۴ھ ج ۲

ص ۳۵ آگے الغزالی المستصفیٰ کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

و جمال الدین ابوعمر بن الحاجب متوفی ۶۴۶ھ منتهی الوصول والامل فی علی الاصول والمجلد طبع اول دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۵ء ص ۲۰۹ آگے ابن الحاطب المنتهی کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

الرازی فخر الدین محمد بن عمر متوفی ۶۰۶ھ مجلد ۲ طبع اول المحصول تحقیق طہ جابر العنوازی مطبوعات جامعہ الامام بن سعود الاسلامیۃ ۱۹۸۰ء ج ۲ ص ۲۰ آگے الرازی المحصول کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

سعد الدین التفتازانی متوفی ۷۹۱ھ التلویح علی التوضیح مجلد ۲ مطبۃ محمد علی صبیح قاہرہ ۲۰۰۷ء ص ۱۱ آگے التفتازانی التلویح کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۱۷ بعض علماء اصول نے ان کی تعداد پانچ سو بتائی ہے امام شوکانی کہتے ہیں کہ یہ تعداد ظاہری اعتبار سے درست ہے لیکن ان آیات کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے جن سے احکام شرعی کا استنباط ہو سکتا ہے۔

۱۸ امام غزالی کے بقول ضروری نہیں ہے کہ مجتہد احادیث کو زبانی یاد کرے بلکہ اس کے پاس اتحاد کا

ذخیرہ موجود ہو تو یہ کافی ہے۔ دیکھیے المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۱۔

۱۹ علماء اصول نے اس کی صراحت کی ہے کہ مجتہد کے لیے یہ بات کافی ہے کہ عربی زبان و ادب کو سمجھے یہ ضروری نہیں ہے کہ خلیل و سیبویہ کے درجہ تک پہنچا ہوا ہو۔ الشاطبی ج ۴ ص ۷۷۔

۲۰ ابن السبکی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۸۳، الفرائی المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۲۔

والشاطبی البواسحق ابراہیم بن موسیٰ متوفی ۷۹۰ھ الاعتصام مجلد ۲ المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ قاہرہ ج ۲ ص ۲۹۷۔ والشوکانی ارشاد الفحول ص ۲۵۲۔

۲۱ تفصیل کے لیے لکھیے: الفتاویٰ التلویح ج ۲ ص ۱۱۷ الفرائی المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۰ ابن السبکی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۸۳ امیر بادشاہ تیسیر التقریر ج ۲ ص ۱۸۰ الرازی المحصول ج ۲ ص ۲۔

السرخی احمد بن ابی سہل متوفی ۴۸۳ھ اصول السرخی مجلد ۲ دارالمعرفۃ بیروت ص ۱۹۳ ج ۱ ص ۳۱۔ المادوری ابوالحسن علی بن محمد متوفی ۴۵۰ھ ادب القاضی مجلد ۲ تحقیق محی ہلال سرحان مطبع الارشاد بغداد ص ۱۹۲ ج ۲ ص ۲۹۷ آگے المادوری ادب القاضی کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

ابن نجیم زین الدین بن ابراہیم متوفی ۷۰۵ھ مشکاۃ الانوار فی اصول المنارج ۳ مطبع الحبلی قاہرہ ۱۹۳۶ء ج ۳ ص ۳۴۔

الشوکانی محمد بن علی متوفی ۱۲۵ھ القول المفید فی أدلة الاجتهاد والتقليد مطبع مصطفى الحلبي واولاده قاہرہ ۱۹۳۶ء ج ۳ ص ۳۴۔

۲۲ الفرائی المستصفیٰ ج ۲ ص ۳۵۰ ابن السبکی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۸۵۔ الفتاویٰ التلویح ج ۲ ص ۱۱۷ الامدی الاحکام ج ۴ ص ۲۱۹۔ جانتا چاہیے کہ بعض علماء اصول نے عدالت کی شرط نہیں لگائی ہے کیونکہ خاص شخص کے اندر اجتہاد کی مشابہت کی جاتی ہے دیکھیے ابن السبکی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۸۵۔

والفتاویٰ التلویح ج ۲ ص ۱۱۷۔

۲۳ السیوطی الرد علی من اخلد الی الارض ص ۱۱۳ ص ۲۷۷ حوالہ سابق ص ۱۱۳۔

۲۴ دیکھیے شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم الدہلوی متوفی ۱۱۸۸ھ عقد المجید فی احکام الاجتہاد والتقليد۔ آگے الدہلوی عقد المجید کے نام سے حوالہ دیا جائے گا مطبع السلفیہ قاہرہ ۱۳۸۵ھ ص ۲۱۔

الشعابی الفکر السامی ج ۲ ص ۴۳۸، الشوکانی ارشاد الفحول ص ۲۵۳۔ ابن السبکی جمع الجوامع ج ۲ ص ۳۸۵، وہبۃ الزحیلی اصول الفقہ الاسلامی مجلد ۲ طبع اول دار الفکر دمشق ۱۹۸۶ء ج ۲ ص ۱۰۸۔

۲۵ الدہلوی عقد المجید ص ۱۱۲۔

۳۷ ابن القیم، اعلام الموقعین ج ۴ ص ۱۸۸ نیز دیکھئے الغزالی المستصفی ج ۲ ص ۳۵۳ - الانصاری مبدی
محدث نظام الدین متوفی ۷۵۲ھ فوارج الرحموت علی ہامش المستصفی للغزالی مجلد ۲ مطبع الامیریہ قاہرہ ۱۳۵۶ھ
۳۸ الرازی المحصول ج ۲ ص ۳۷۳-۳۷۴

۳۹ آلامی - الاحکام ج ۴ ص ۲۱۱ نیز دیکھئے الرازی المحصول ج ۲ ص ۳۷۴
۴۰ الصنعانی محدث بن اسماعیل متوفی ۱۱۸۲ھ ارشاد النقاد ابی تیسیر الاجتہاد (مجموعہ الرسائل المنیریہ)
مجلد ۲ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۴۶۱ھ جلد ۱ ص ۲۳۷

۴۱ حوالہ سابق ص ۱۲۱

۴۲ الشافعی، الفکر السامی ج ۲ ص ۴۳۹ صبی الصالح معالم الشریعۃ الاسلامیہ طبع اول دار العلم
للسلاطین بیروت ۱۹۷۵ھ ص ۳۴

۴۳ محمد الحنفی تاریخ التشریع الاسلامی طبع جہارم المکتبۃ التجلیۃ الکبریٰ قاہرہ ۱۹۳۲ھ ص ۱۲۸
۴۴ ابن القیم، اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۷۷

۴۵ طبرانی نے الاوسط میں اس کی روایت کی ہے جس کے رجال ثقہ ہیں۔ دیکھئے نور الدین علی
بن ابی البرکات البیہقی متوفی ۵۵۵ھ مجمع الزوائد طبع سوم دار الکتاب العربی بیروت ۱۳۹۵ھ ج ۱ ص ۱۷۵
۴۶ سورۃ آل عمران آیت ۱۵۹ ۴۷ سورۃ الثوری آیت ۳۸

۴۸ ابو عمر یوسف بن عبد البر القرطبی متوفی ۴۶۳ھ جامع بیان العلم وفضلہ مجلد ۲ دار
الکتب العلمیۃ بیروت ج ۲ ص ۵۶۱ و ابن القیم اعلام الموقعین ج ۱ ص ۱۷۷

۴۹ امام الحرمین ابو المعالی عبد الملک بن عبد اللہ الجونی متوفی ۴۸۸ھ غیاث الامم فی
التیاض النظم طبع اول تحقیق عبد العظیم الدیب مطبوعہ قطر ۱۴۰۲ھ ص ۲۳ آگے الجونی غیاث
الامم کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۵۰ علی حسب اللہ، اصول التشریع الاسلامی طبع دوم دار المعارف قاہرہ ۱۹۵۹ھ ص ۱۲۸
و زکریا البری، الاجتہاد فی الشریعۃ الاسلامیہ ص ۲۵۷ آگے زکریا البری، الاجتہاد کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔
۵۱ شیخ عبد الوہاب خلاف، علم اصول الفقہ طبع شتم الدار الکویت للہباعۃ والنشر الکویت ۱۹۶۸ھ ص ۵
آگے خلاف، علم اصول الفقہ کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔ نادیۃ الفری، الاجتہاد ص ۲۶

۵۲ خلاف، علم اصول الفقہ ص ۵

۵۳ دیکھئے الامام علاء الدین عبد العزیز احمد البخاری متوفی ۵۳۳ھ کشف الاسرار مجلد ۴، دار التلیب
۱۱۷

العربی بیروت ۱۹۷۲ء ص ۲۲۷-۲۲۸۔ آگے البخاری کشف الاسرار کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

الغزالی۔ المستصفی ج ۱ ص ۱۸۶۔ الآمدی، الاحکام ج ۱ ص ۳۲۶، الاسنوی نہایت السؤل ج ۳

ص ۳۳، الشوکانی، ارشاد الفؤل ص ۸۹، الانصاری، فوائج الرحوت ج ۲ ص ۲۲۲، امیر بادشاہ

تیسیر التحریر ج ۲ ص ۲۳۲۔ الرازی، المحصول ج ۲ ص ۲۵۷۔

۳۳۔ الآمدی، الاحکام ج ۱ ص ۳۳۶، الانصاری، فوائج الرحوت ج ۲ ص ۲۲۲۔

البخاری، کشف الاسرار ج ۳ ص ۲۴۵، ابن البخار محمد بن احمد الفتویٰ الحنبلی، شرح الکواکب

المیز مجلد ۳ دار الفکر دمشق ۱۹۸۰ء ص ۲۳۳۔

الرازی، المحصول ج ۲ ص ۲۵۷۔ الشوکانی، ارشاد الفؤل ص ۸۹، امیر بادشاہ تیسیر التحریر ج ۳

ص ۲۳۶، الغزالی المستصفی ج ۱ ص ۱۸۶۔

۳۴۔ ابن الحاجب المالکی، متوفی ۷۲۹ھ مختصر المنہی مجلد ۲ مکتبۃ الکلیات الازہریہ قاہرہ

۱۹۷۳ء ج ۲ ص ۳۲۸، ابن بدران عبدالقادر الدمشقی متوفی ۱۳۴۹ھ المدخل الی مذهب الامام احمد بن حنبل

طبع دوم، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۱ء ص ۲۸۔ آگے ابن بدران المدخل کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

الانصاری، فوائج الرحوت ج ۲ ص ۲۲۷، الآمدی، الاحکام ج ۱ ص ۳۳۶، امیر بادشاہ تیسیر التحریر ج ۳ ص ۳۶۹۔

۳۵۔ الغزالی، المستصفی ج ۱ ص ۱۸۷، الآمدی، الاحکام ج ۱ ص ۳۳۶، الشوکانی، ارشاد الفؤل ص ۸۹

ص ۳۶۹، دیکھئے الانصاری، فوائج الرحوت ج ۲ ص ۲۲۲، ابن بدران المدخل ص ۲۸۔

۳۶۔ الشوکانی، ارشاد الفؤل ص ۸۹۔ الرازی، المحصول ج ۲ ص ۲۵۹۔

۳۷۔ ابن ماجہ نے باب الفتن کے اندر اس کی روایت کی ہے جس کی سند میں ابو خلف الطائز بن علی

راوی ضعیف ہیں۔ دیکھئے ابن ماجہ محمد بن زید القزوی متوفی ۲۷۳ھ سنن ابن ماجہ تحقیق محمد فواد

عبدالباقی مطبع مصطفیٰ الحلبی قاہرہ حدیث نمبر ۳۹۵۔

۳۸۔ امام احمد، نسائی اور ابو داؤد نے اس کی تخریج کی ہے۔ دیکھئے امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ

مسند امام احمد بن حنبل المکتبۃ الاسلامیہ دار صادر بیروت ص ۲۳۲، النسائی احمد بن شعیب متوفی

۳۳۰ھ سنن النسائی بشرح جلال الدین السيوطی طبع المکتبۃ التجارية الکبریٰ قاہرہ ص ۱۰۷، ابو داؤد

سلیمان بن الاشعث السجستانی متوفی ۲۷۵ھ سنن ابو داؤد مع معالم السنن للخطابی طبع دار الحديث

سوریا حدیث نمبر ۵۴۷۔

۳۹۔ دیکھئے محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ الرسالۃ تحقیق احمد محمد شاہ طبع اول مطبعہ الحلبی

قاہرہ ۱۹۲۰ء ص ۲۴۳۔

۵۵۳ محمد الحنفی۔ تاریخ الامم الاسلامیہ مجلد ۲ طبع، مشتم المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ۔ قاہرہ ج ۱ ص ۱۶۹-۱۷۰

الرازی، المحصول ج ۲ ص ۲۵۹

۵۵۴ الانصاری، فوائذ الرحوت ج ۲ ص ۲۲۲۔ الرازی، المحصول ج ۲ ص ۲۵۹۔ عبد اللہ ابن عباس سے منقول ہے کہ انھوں نے ان تینوں مسئلوں میں عام صحابہؓ سے اختلاف کیا تھا۔ لیکن آخر الذکر دو مسئلوں میں آخر میں انھوں نے رجوع کر لیا تھا۔ دیکھئے محمد نختی المطبعی المجموع شرح المہذب مطبع الامام مصر ج ۱۵ ص ۵۰۰ و ۲۵۱۔ نیز ج ۱ ص ۲۳۱

۵۵۵ ابن بدران فرماتے ہیں کہ اکثریت کا اتفاق حجت ہے اس پر عمل واجب ہے لیکن اجماع نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ قیاس اور خبر واحد کے درجہ کی چیز ہے۔ دیکھئے ابن بدران المدخل ص ۲۸۰

۵۵۶ دیکھئے فتی الدربنی، خصائص التشریع الاسلامی فی السیاستہ والحکم طبع اول مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۲ء ص ۲۲۲، ۲۲۴۔ آگے الدربنی، خصائص التشریع الاسلامی کتمام سے حوالہ دیا جاسکتا۔ ۵۵۷ اجونی، غیاث الامم ص ۲۴۵۔ مطبع دار الدعویہ اسکندریہ۔ نیز دیکھئے شیخ مصطفی الزرقاء المدخل الفقہی العام مجلد ۳۔ طبع نہم مطابع الف باء الادیب دمشق ۱۹۹۸ء ج ۱ ص ۱۹۵۔ والدربنی، خصائص التشریع الاسلامی ص ۲۴۳۔

۵۵۸ دیکھئے، صوفی البوطالب، تطبیق الشریعۃ الاسلامیۃ فی البلاد العربیۃ دار النہقۃ العربیۃ قاہرہ ۱۹۷۸ء

۵۵۹ دیکھئے ابن عابدین محمد امین متوفی ۱۲۵۲ھ حاشیہ رد المحتار علی الدر المختار مطبع اعلیٰ قاہرہ ج ۳ ص ۱۴۹

۵۶۰ دیکھئے عبد اللہ بن محمود الموصلی الحنفی، متوفی ۶۸۳ھ الاختیار لتعلیل المختار مجلد ۵ دار المعرفۃ ۱۲۸۲ھ

للطباعة والنشر بیروت ج ۳ ص ۱۴۹

۵۶۱ الزرقاء، الاجتہاد ص ۱۱۷

۵۶۲ دیکھئے ابو حامد الغزالی متوفی ۵۰۵ھ فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ طبع اول ۱۱۱۱ھ

دار احیاء الکتب العربیۃ قاہرہ ۱۹۶۱ء ص ۲۰۰

۵۶۳ امام احمد بن حنبل کے اس قول کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ انھوں نے مطلق اجماع کا انکار کیا ہے۔ بلکہ بہت سے فروعی مسائل میں وہ اجماع کے قائل ہیں۔ ان کے اس قول کی متعدد توضیحات ممکن ہیں نیز صحابہ کرامؓ کے زمانہ بہت سے امور میں اجماع کے قائل ہیں تفصیل کے لیے دیکھئے۔ الاسنوی، نہایۃ السؤل ج ۳ ص ۲۴۳ والشوکانی

ارشاد الفول ص ۷۲۔ اور ابن بدران، المدخل ص ۲۷۹۔

۶۴۲ خلافت، علم احوال الفقہ ص ۵۰

۶۴۵ شیخ محمود شلتوت، الاسلام عقیدہ وشریعت، دارالقلم قاہرہ ص ۵۵ آگے شلتوت، الاسلام عقیدہ وشریعت کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۶۴۶ عبدالکریم الخطیب، سدباب الاجتہاد وما ترتب علیہ موسسۃ الرسالۃ بیروت طبع اول ۱۹۸۴ء

۶۴۷ مجمع البحوث الاسلامیۃ المؤتمر الاول لمجمع البحوث الاسلامیۃ الازہر ص ۱۱۔

۶۴۸ احمد محمد شاكر، الشرع واللغة، مطبع المعارف قاہرہ ص ۸۹ آگے، احمد شاكر الشرع واللغة کے نام سے حوالہ دیا جائے گا۔

۶۴۹ عبدالوہاب خلافت، مصادر التشريع الاسلامی فیما لانص فیہ طبع دوم دارالقلم کویت ۱۹۷۳ء

۶۵۰ شلتوت، الاسلام عقیدہ وشریعت ص ۵۵

۱۱۱ الزرقاء، الاجتہاد ص ۱۱۱

۶۵۱ محمد الطاہر بن عاشور، مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ، الشکرۃ التوفیقیۃ للتوزیع طبع اول ۱۹۷۵ء ص ۱۲۱

۶۵۲ محمد یوسف موسیٰ، الاسلام والحیاء، مکتبۃ وہبۃ قاہرہ ۱۹۶۱ء ص ۱۸۷

۶۵۳ دیکھئے المؤتمر الاول لمجمع البحوث الاسلامیۃ ص ۱۱، مصطفی الزرقاء، الاجتہاد ص ۲۶، احمد شاكر

الشرع واللغة ص ۸۹۔ نادۃ العمی، الاجتہاد ص ۱۱، زکریا البری، الاجتہاد ص ۲۵۲

۶۵۴ اسی ضرورت کے پیش نظر عالم عرب میں دو قابل ذکر ادارے قائم ہیں۔

۱۔ مجمع البحوث الاسلامیۃ مصر۔

۲۔ المجمع الفقہی، رابطہ العالم الاسلامی مکہ (دراسات عمان، جلد ۱، شمارہ ۱۷، ۱۹۸۷ء)

مشترک خاندانی نظام اور اسلام : مولانا سلطان احمد اصلحی

مشترک خاندانی نظام ہندوستان اور تیسری دنیا کے ملکوں کا ایک اہم مسئلہ ہے۔

اس رسالہ میں ایک طرف اس نظام کے نقائص تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور دوسری طرف اسلام کے مطلوبہ خاندانی نظام کے خدوخال، اس کے مستند مآخذ کی روشنی میں دلائل کے ساتھ واضح کیے گئے ہیں۔ دوسرا ایڈیشن کافی حذف و اضافہ کے بعد آئینہ کی حین طباعت بہت پہلے سے زائد قیمت ۲۰ روپے۔

مکتبہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پان والی کوٹھی، درود پور علی گڑھ ۲۰۲۰۔۱